السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

قرآن کریم میں سورۃ النساء میں آیت کریمہ ہے ﴿يـٰأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنوا أَطيعُوا اللَّهَ وَأَطيعُوا الرَّسولَ وَأُولِى الأَمرِ مِنكُم﴾ (النساء: ۵۹) اس آیت کریمہ میں ''أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ'' سے کیا مراد ہے کیا اس آیت سے تقلید شخصی کے لیے استدلال کیا جاسکتا ہے۔؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

اس آیت کریمہ میں ''أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ'' سے مسلمانوں کے حکام مراد ہیں کیونکہ وہی صاحب امر ''أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ'' ہیں پھر چاہے وہ علماء میں سے ہوں یا غیر علماء میں سے مگر وہ علماء جو صاحب امر نہیں وہ ''أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ'' میں داخل نہیں ہوسکتے۔ دیگر الفاظ میں مذکورہ آیت امت مسلمہ کو اپنے امراء کی اطاعت کا حکم فرمارہی ہے اسی طرح کئی احادیث مبارکہ میں بھی امراء کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ اسلام کا ایک اپنا نظام دستور اور قانون یا آئین ہے اور وہ حکومت میں اقتدار کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتا اس لیے کتاب وسنت مسلم میں امراء وحکام کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے تاکہ وہ امت مسلمہ میں ربانی قانون نافذ کرسکیں۔ مگر ان حکام کی طاعت غیر مشروط ہرگز نہیں بلکہ ان کی اطاعت تب تک کی جائے گی جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے احکامات اور ان کی سنت وطریقہ کی مخالفت نہ کریں ورنہ اگر ان کا کوئی بھی امر یا حکم کتاب وسنت کے خلاف ہوگا تو اس صورت میں ان کی اطاعت ہرگز جائز نہیں یہی سبب ہے کہ جو آیت کریمہ سوال میں تحریر کی گئی ہے اس میں ''أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ'' کے بعد یہ الفاظ مبارک ہیں:

﴿فَإِن تَنـٰزَعتُم فى شَىءٍ فَرُدّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسولِ إِن كُنتُم تُؤمِنونَ بِاللَّهِ وَاليَومِ الءاخِرِ﴾ (النساء: ۵۹)

''اگر کسی بات میں اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تمھیں اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان ہے۔''

یعنی تنازعہ اور اختلاف کی صورت میں پورا کا پورا معاملہ اللہ تعالی اور رسول اکرم ﷺ کی طرف یا کتاب وسنت کی طرف لٹایا جائے گا پھر جس کی بات کتاب وسنت کے موافق ہوگی تو صحیح ورنہ غلط۔

اور یہ تنازعہ یا اختلاف تب ہی وجود میں آتا ہے جب کوئی شخص (حاکم یا عالم) کوئی حکم یا مسئلہ بتاتا ہے مگر اس کے برخلاف اور اس کی فتوی کے مخالف کوئی کتاب اللہ کی آیت ہوتی ہے یا کوئی حدیث شریف ورنہ اگر حاکم کا حکم یا عالم کی فتوی کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو تو پھر جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ اطاعت بالآخر اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی ہی ہے نہ کہ اس حاکم کی کیونکہ وہ حاکم قانون ساز قطعاً نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالی کے قانون کو نافذ کرنے والا ہے قانون سازی کا اختیار صرف اللہ تعالی کو ہی ہے، جیسے فرمایا:

﴿إِنِ الحُكمُ إِلّا لِلَّهِ﴾ (الانعام: ۵۷)

''اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں (چلتا)۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿أَم لَهُم شُرَكـٰؤُا۟ شَرَعوا لَهُم مِنَ الدّينِ ما لَم يَأذَن بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوری: ۲۱)

''کیا ان کے لیے شرکاء ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین میں وہ چیزیں مشروع کردی ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔''

اسی طرح حدیث میں ہے کہ:

((لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق))(۱)

''یعنی جس بات یا کام کرنے سے خالق کی نافرمانی لازم آئے اس میں کسی بھی مخلوق کی ''خواہ'' وہ ماں باپ ہو خواہ عالم خواہ کوئی امیر یا حاکم ''اطاعت نہیں کرنی۔''

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالی اور رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی ان کے ارشادات عالیہ کی خلاف ورزی میں لازم آتی ہے۔ لہذا اس صورت میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی۔ یہی مطلب سیاق وسباق کے موافق ہے اور قرآن وحدیث کے بالکل مطابق ہے۔ اس میں تقلید شخصی کا نام ونشان بھی نہیں اس کا اثبات تو دور کی بات ہے لیکن اگر

علی سبیل التنزل ''یہ تسلیم بھی کیا جائے تو اولی الامر سے مراد علماء ہیں، یعنی مطلق علماء خواہ وہ صاحب امر ہوں یا نہ ہوں، تو بھی اس سے تقلید شخصی کا اثبات ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ آیت کریمہ کا یہ حصہ جو اوپر ذکر کیا گیا ہے یعنی''

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ الخ اس سے مانع ہے، اس طرح کہ اختلاف

(۱) مسند احمد جلد ۵، صفحہ ٦٦، رقم الحدیث : ۲۰٦٨۰)

کی صورت میں ربانی ارشاد ہے کہ وہ مکمل معاملہ کتاب وسنت کی طرف لوٹایا جائے آپ دیکھیں کتنے ہی مسائل ہیں جن میں علماء کا اختلاف ہے۔

مثلاً ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ کے متعلق کچھ فرماتے ہیں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس ارشاد فرماتے ہیں اور مالک رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں سے مختلف تیسری بات کہتے ہیں اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا راستہ ان تینوں سے الگ ہے اب اس صورت میں ہمارے ایمان کا تقاضا إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کے مطابق ہے؟ ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ ان چاروں ائمہ کرام کے اختلاف کو نظر انداز کر کے ہمیں پورا معاملہ مسئلہ مختلف فیہا کو کتاب وسنت کی طرف لوٹا دینا ہے پھر اس عدالت عالیہ ''سپریم کورٹ'' کی طرف سے جس کی بات یا فتوی کے متعلق صحت کا فیصلہ صادر ہوگا اس کی بات درست اور دوسری غلط ہوگی اور اگر ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ کتاب وسنت نے اس مسئلہ کے متعلق یہ فیصلہ دیا ہے تقلید تو ختم ہوگئی کیونکہ تقلید کی تعریف میں ''جو علماء اصول فقہ نے لکھی ہے ''عدم علم داخل ہے یعنی اصول فقہ کے مطابق تقلید کی تعریف یہ ہے :

(اخذ قول الغير من غير معرفة دليله -)) (۱))

یعنی کسی کی بات اس کی دلیل معلوم کیے بغیر لے لینا۔ پھر اگر اسے اس مسئلہ کی دلیل کا علم ہوگیا تو تقلید از خود ختم ہوگئی۔ مطلب کہ اختلاف کی صورت میں کسی ایک شخص کی اتباع یا تقلید اس کی دلیل معلوم کیے بغیر کرنا بالکل ناجائز ہے، لیکن اگر وہ مسئلہ مختلف فیہ نہیں بلکہ امت کا اس پر اجماع واتفاق ہے تو اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ کتاب وسنت کے خلاف قطعاً نہیں کیونکہ

(لا تجتمع امتی علی ضلالة او كما قال -)) (۲))

حدیث شریف وارد ہوئی ہے لہذا امت کا اجماع ایسی ہی بات پر ہوتا ہے جو کتاب

۱.) شرح جمع الجوامع، جلد ۲، صفحہ ۲۵۱)

۲.) كشف الخفا للعجلونی' جلد ۲' صفحہ ۳۱۸' بحوالہ معجم الکبیر)

وسنت کے موافق ہوتی ہے نہ کہ مخالف تو اس صورت میں بھی تقلید شخصی کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ کسی بھی عالم ربانی اور حق پرست سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا کیا ارشاد ہے۔

خلاصہ کلام : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر وہ خود عالم ہے اور کتاب وسنت سے استنباط کی لیاقت رکھتا ہے تو اسے تمام مسائل میں از خود کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اگر وہ خود عالم نہیں تو بمصداق

(فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل : ٤٣

کسی بھی حق پرست اور کتاب وسنت کا صحیح علم رکھنے والے سے دریافت کرسکتا ہے لیکن اس طرح نہیں کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے بلکہ اس طرح کہ اس مسئلہ کے متعلق کتاب وسنت کا کیا فیصلہ ہے تاکہ وہ اہل الذکر فتوی کے لیے دلیل پیش کرے تو اس صورت میں تقلید ختم ہوگئی۔ تقلید تو اس وقت باقی رہتی جب اس عالم دین سے اپنی رائے دریافت کی جاتی اور وہ اس مسئلہ کے متعلق کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش نہ کرتا اور پھر محض اس کی مجرد رائے پر عمل کیا جاتا شریعت اسلامی میں اس طرز عمل کی اجازت نہیں یہی وجہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ : ''جس شخص کو بھی ہماری کسی بھی فتوی کی دلیل معلوم نہ ہو تو اس پر ہماری فتوی کے مطابق فتوی دینا حرام ہے۔''

مطلب کہ تقلید کو تو خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حرام قرار دیتے ہیں کیونکہ جب اس مسئلہ کی دلیل معلوم کرنا لازم ٹھری تو تقلید ختم ہوگئی۔ بہر حال کیا کتاب وسنت اور ائمہ کرام وسلف عظام رحمہم اللہ کے اقوال صرف اتنی بات کے محتمل ہیں کہ اگر کوئی شخص جاہل ہے یعنی اسے از خود کتاب وسنت سے مسائل استنباط کرنے کی صلاحیت نہیں تو اسے اجازت ہے کہ کسی بھی عالم لا علی التعین سے پوچھے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ ساتھ میں کتاب وسنت کی دلیل بھی پیش کرے تو آپ لوگ اگر اس کا نام تقلید رکھتے ہیں تو یہ آپ کے بس کی بات ہے اگرچہ اصطلاحا ''یعنی علی اصطلاح اصول الفقہ'' اسے تقلید کہنا قطعاً غلط ہے۔ لیکن مذکورہ آیت کریمہ بلکہ کسی اور آیت میں تقلید شخصی یعنی معین شخص کی اتباع وتقلید کو اپنے اوپر لازم وضروری قرار دینے کا ثبوت ہرگز ہرگز نہیں ملتا کیونکہ اگر اولی الامر سے مراد علماء وائمہ لیے جائیں تب بھی اس آیت میں اتباع کا حکم لا علی التعین ہے یعنی خاص کسی عالم یا شخص کی اتباع کا حکم نہیں۔ لہٰذا اس سے یہ استدلال کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ تم امام ابوحنیفہ یا امام شافعی رحمہم اللہ کی تقلید ہر مسئلہ میں اپنے اوپر لازم کرلو یعنی :

(فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل : ٤٣

''پس تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔''

میں ''إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ'' کی شرط تو تقلید کو ناجائز قرار دیتی ہے پھر یہ جو علماء احناف مسند تدریس پر بیٹھ کر حدیث وتفسیر فقہ واصول صرف ونحو، معانی وبیان وغیرہ وغیرہ پڑھاتے رہتے ہیں اور کتاب وسنت کے نکات بیان کرتے رہتے ہیں، فقہ کے مسائل کی موشگافیوں میں مشغول رہتے ہیں آخر انہیں تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اس کے باوجود بھی تقلید کرتے ہیں۔ تو وہ اتنے علم کے باوجود اپنے آپ کو غیر عالم یا جاہل قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہربانی ونعمت ''علم'' کا بھی انکار کرتے ہیں اور احسان فراموش بنتے ہیں بہر حال عالم کے لیے تقلید جائز نہیں باقی رہا جاہل تو اسے ان آیات کے مطابق صرف کسی عالم سے بمع دلیل مسئلہ دریافت کرنے کی اجازت ہے لیکن ''لا علی التعین والتشخص'' اور اس صورت میں بھی تقلید باقی نہیں رہتی بلکہ عالم جاہل کو مسئلہ کی دلیل پیش کرے گا اور وہ دلیل کی اتباع کرے گا نہ کہ اس کی مجرد رائے کی بہر حال تقلید کی یہاں بھی جڑ اکھڑ گئی گویا ان آیات سے تو مطلق تقلید بھی ثابت نہیں ہوتی پھر اگر کوئی اتباع بالدلیل کو تقلید کا نام دے پھر کھینچ کر اسے جا کر تقلید شخصی تک پہنچا دے تو وہ اپنے علم، عقل، صداقت وامانت، سمجھ، انصاف وعدالت کا بے دردی سے خون کر رہا ہے۔

الغرض کہ آیات کریمہ میں تقلید کی طرف اشارہ تک موجود نہیں چہ جائیکہ ان کو تقلید شخصی کے ثبوت کے لیے پیش کرنے کی جسارت کی جائے علاوہ ازیں تقلید شخصی اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ مقلد اپنے متبوع کو رسالت کے منصب

تک پہنچاتا ہے۔

کیونکہ کسی کو یہ سرٹیفکیٹ دینا کہ اس کی تمام باتیں سو فیصد تک درست ہیں اس کی کوئی بات غلط نہیں ہوسکتی یہ عمل اسے نبوت کے درجہ پر پہنچانے کے مترادف ہے اگرچہ زبان سے ہزار بار کہہ دے کہ میں اسے رسول تصور نہیں کرتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ اس کا ہر ارشاد صحیح ہوتا ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

(وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ) (النجم ٣'٤)

''وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتا مگر وہ جو وحی کی جاتی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو یہ منصب نہیں ملا پھر بھی اگر کسی اور کو ایسا سمجھ کر اس کی اتباع و تقلید کو اپنے اوپر لازم قرار دینے کا یہی مطلب ہے کہ اسے منصب رسالت پر کھڑا کرنا ہے کیونکہ عمل انسان کے عقائد و تصورات کا عنوان ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ تقلید بدعت سیئہ ہے خیر القرون میں اس بدعت سیئہ کا کوئی نام و نشان نہ تھا چار سو سالوں کے گذر جاتے ہیں لیکن تقلید شخصی ناپید ہے اور نہ ہی کتاب و سنت میں کوئی ایسا ارشاد موجود ہے کہ تم کسی ایک کو یعنی ''معین شخص کو ''ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ہر مسئلہ و معاملہ میں اپنا متبوع اور مقتدا بنانا پھر بدعت سیئہ کس طور پر دین کا مرجع بن سکتی ہے؟ شاید کوئی یہ کہے کہ تقلید شخصی پر امت کا اجماع ہوگیا ہے لہذا ((لا تجتمع امتی علی ضلالۃ)) کے مطابق درست قرار پائے گی اور تقلید شخصی جائز بلکہ لازم ہوگی۔ اس کے لیے یہ گذارش ہے کہ اجماع کی دعویٰ صرف وہی کر سکتا ہے جو یا تو جاہل ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے آخر جس بات کا صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے عہد مبارک میں کوئی سراغ نہیں معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق بعد کے ادوار میں اجماع کیسے ہوسکتا ہے۔

علاوہ ازیں اجماع کرنے والے خود مقلدین ہیں اور مقلد جاہل ہیں پھر کیا کچھ جاہلوں کے کسی بات پر متفق و متحد ہونے والی بات اہل علم کے نزدیک بھی قابل عمل بن سکتی ہے آج کل جہاں کئی رسومات کو بجالاتے ہیں ان پر سختی سے عمل پیرا ہوتے ہیں گویا ان کی طرف سے ان پر اجماع ہے۔ مثلا عرس، گیارہویں، تیجہ، رجب کے کونڈے وغیرہ وغیرہ کیا یہ سب بدعتی اعمال جہال کے اجماع کی وجہ سے اب دین حق کے ضروری اجزا تصے بن جائیں گے؟ ہرگز نہیں اسی طرح تقلید شخصی پر بھی ان مقلدین کا اجماع تو ہو لیکن مجتہدین تو سب ہی اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے درج کر آئے ہیں، تقریبا باقی تمام ائمہ سے بھی اس طرح کی عبارات منقول ہیں جو کہ طوالت کے خوف سے یہاں درج نہیں کی جاتیں اب خود سوچیں کہ ایسے مقلدین کے اجماع کی کیا وقعت و حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ افسوس کہ آج کل حق کو پہچاننے والی آنکھ بہت مشکل سے کہیں جا کر نظر آتی ہے بہر حال تقلید شخصی بدعت سیئہ اور ناجائز اور کتاب و سنت کی رو سے باطل ہے اور اس کا ثبوت کتاب و سنت میں قطعا موجود نہیں اور مذکورہ بالا آیت سے اس کا ثبوت پش کتنے کی سعی کرنا مذموم جسارت اور بدترین جہالت ہے۔ اعاذنا اللہ منہا

ابھی اس کے متعلق کچھ مزید کی گنجائش ہے لیکن اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے کیونکہ جواب کافی طویل ہوگیا ہے۔

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ راشدیہ

صفحہ نمبر 65

محدث فتویٰ